محمد جعفر پھلواروی

اطاعتِ رسولؐ کی حدود

قرآن پاک میں اطاعتِ رسولؐ پر بار بار اتنا زور دیا گیا ہے کہ معمولی مسلمان بھی اس سے بے خبر نہیں۔ اس سے زیادہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ

ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔	جو رسول کی اطاعت کرے گا وہ عین اللہ ہی کی اطاعت ہوگی۔

اور یہ کلیہ ہر رسول کے ساتھ وابستہ ہے جیسا کہ ارشاد ہوا

وَمَا ارسلنا من قبلک من رسول الا لیطاع باذن اللہِ۔	ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھیجا وہ اسی لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

پھر بیشتر جگہ اللہ کی اطاعت کے ساتھ ہی رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ مثلاً

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول۔	اللہ کی اطاعت کرو۔ اور رسول کی اطاعت کرو۔

ایک آیت میں تین اطاعتوں کا بھی ذکر ہے

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔	اللہ کی اطاعت کرو۔ نیز رسولؐ اور اپنے اولی الامر کی بھی اطاعت کرو۔

یہاں قدرۃً ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ تین تین اطاعتیں کیسی ہیں؟ کیا اطاعتِ الٰہی۔ اطاعتِ رسولؐ اور اطاعتِ اولی الامر تینوں کی ایک ہی حیثیت ہے؟ اگر ایسا ہے تو کیا اسے شرک فی الطاعۃ نہ کہا جائے گا؟ ظاہر ہے کہ اگر ان تینوں اطاعتوں کی حیثیت ایک ہی ہو تو اللہ، رسول، اور اولی الامر کی اطاعتوں میں کوئی فرق نہ رہے گا۔ یقیناً یہاں سب میں فرق ہوگا اور ہر ایک کی اطاعت کی کچھ الگ حدود ہوں گی۔

یہاں خاص طور پر زیرِ غور مسئلہ اطاعتِ رسولؐ ہے کہ اس کی کیا حیثیت ہے؟ اگر یہ اطاعت اللہ کی اطاعت کی طرح ہے تو اللہ اور رسولؐ کی اطاعتوں میں کیا فرق ہے؟ اور

اگر یہ اطاعت اولی الامر کی اطاعت جیسی ہے تو رسولؐ اور اولی الامر کی اطاعتوں میں کیا فرق ہوا خصوصاً جب کہ اس آیت میں اللہ کی اطاعت کو الگ اور رسولؐ کی اطاعت کو اولی الامر کی اطاعت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے؟

اللہ کی اطاعت ہر مسلمان پر غیر مشروط طریقے پر فرض ہے۔ اس میں کسی بحث کی گنجائش نہیں۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اولی الامر کی اطاعت غیر مشروط نہیں۔ آنحضرتؐ نے اولی الامر کی اطاعت کی حدود یوں واضح طور پر بتا دی ہیں کہ:

لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق — کسی مخلوق کی طاعت وہاں نہیں ہو گی جہاں خالق کی نافرمانی ہوتی ہو۔

ہمیں ایسی نظیریں بھی ملتی ہیں کہ طاعت امیر کی ہزار تاکیدوں کے باوجود بعض اوقات امیر کی نافرمانی کی گئی۔ کیونکہ اسے طاعت الٰہی کے خلاف سمجھا گیا۔ اور آنحضرتؐ نے اس نافرمانی پر اظہار رضامندی بھی فرمایا۔ ایک امیر نے اپنے مامور کو بطور سزا آگ میں گھس جانے کا حکم دیا۔ اس نے انکار کیا۔ آنحضرتؐ کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو فرمایا: تم نے اچھا کیا جو آگ میں نہ گئے ورنہ اس میں سے کبھی نکل نہ سکتے (یعنی ہمیشہ کے لیے دوزخ میں چلے جاتے)۔

اب غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ بہر حال مخلوق ہی ہیں خالق نہیں ہیں۔ اس لیے آپؐ کی اطاعت کی بھی یقیناً کچھ حدود ہوں گی۔ اور آپؐ کی اطاعت، طاعت الٰہی کی طرح غیر مشروط نہ ہو گی۔ لیکن یہ مان لینے کے بعد بھی یہ کہنا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا کہ آنحضرتؐ کی اطاعت بھی اسی نوعیت سے مشروط ہے جس نوعیت سے اولی الامر کی اطاعت مشروط ہے۔

جہاں تک ہم غور کر سکے ہیں معاملہ یوں ہے کہ آنحضرتؐ کی چار واضح حیثیتیں ہیں جن کے احکام میں فرق ہے۔ وہ یہ ہیں:

۱۔ آنحضرتؐ کی ایک حیثیت ہے "رسول" کی۔ اس حیثیت سے حضورؐ جو کچھ فرمائیں وہ وحی الٰہی ہو گی اور اس کی اطاعت نہ فقط ہر مسلمان پر بلکہ خود آنحضرتؐ پر بھی واجب ہے اور اس اطاعت سے انکار کر کے کوئی شخص مسلمان نہیں رہ سکتا۔ یہ اطاعت براہِ راست طاعتِ الٰہی ہے۔

۲ - دوسری حیثیت ہے امیر (اولی الامر) کی۔ اس حیثیت سے بھی حضورؐ کے ہر فرمان کی اطاعت واجب ہے۔ اور حکم خداوندی ...... واولی الامر منکم کے تحت ہی یہ چیز آتی ہے۔ لیکن ایک فرق آنحضرتؐ کی امارت اور دوسرے اولی الامر کی امارت میں ضرور رہے گا اور وہ یہ ہے کہ دوسرے تمام اولی الامر میں یہ امکان موجود ہے کہ کسی وقت عمداً یا خطاً اُس کی بات فرمانِ الٰہی کے خلاف ہو۔ لیکن آنحضرتؐ کے متعلق ایسا گمان کرنا بھی کفر تک لے جانے کے لیے کافی ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ فرمانِ الٰہی موجود ہو اور حضورؐ اس کے خلاف کچھ فرمائیں۔ آنحضرتؐ کا مقصدِ لعثت ہی تھا احکامِ خداوندی کی اطاعت کرنا اور کرانا۔ تمام اولی الامر کی اطاعت میں کسی وقت معصیۃ الخالق کا امکان ہو سکتا ہے۔ لیکن آنحضرتؐ کی امارتی اطاعت میں معصیت الخالق کا گمان بھی کفر ہے۔

۳ - حضورؐ کی تیسری حیثیت ہے قاضی (جج) کی۔ اس حیثیت سے بھی حضورؐ کے ہر فیصلے کی اطاعت بے چون وچرا واجب ہے اور اس سے انکار کفر کے سوا کچھ نہیں۔ قرآن نے اسے واضح لفظوں میں یوں بیان فرما دیا ہے کہ

فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجاً مما قضيت ويسلموا تسليماً ٥ (قرآن مجید)

تمہارے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک تمہیں دلے رسولؐ، اپنے اختلافی معاملات میں حکم نہ بنائیں۔ اور پھر اسی قدر نہیں بلکہ تمہارے فیصلے سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی بھی نہ محسوس کریں۔ بلکہ پوری طرح سرِ تسلیم خم کر دیں۔

اسی مضمون کو ایک اور جگہ یوں دہرایا گیا ہے کہ:

وما كان لمومن ولا مومنة اذا قضى الله ورسوله امراً ان يكون لهم الخيرة من امرهم.........

اللہ اور اس کا رسولؐ جب کوئی فیصلہ کر دے تو کسی مسلمان مرد وزن کو اس معاملے میں کوئی اختیار باقی نہیں رہتا.....

اور اسی سلسلے کی کڑی اس آیت کو بھی سمجھیے کہ:

النبي اولى بالمومنين من انفسهم

نبی اہل ایمان پر خود ان کی اپنی ذات سے بھی زیادہ اختیار رکھتا ہے۔

غرض یہ کہ پیغمبر بحیثیت جج کے جب کوئی فیصلہ دے تو اس کو نہ ماننا بجز کفر کے اور کچھ نہیں۔ یہاں بھی آنحضرتؐ اور دوسرے قاضیوں میں فرق رہے گا۔ مثلاً:

اور کوئی کتنے ہی بڑے کردار کا جج ہو اس میں اگر ظاہرا نہیں تو تحت الشعور کچھ نہ کچھ جانبداری کا جذبہ ہوگا۔ ہم مذہبی، تعلقات، دوستی، احسان مندی، ہم وطنی، ہم لسانی، قرابت مندی کوئی طمع یا خوف اور دوسرے بے شمار عوامل ہو سکتے ہیں جو کسی قاضی میں نہایت معصومانہ انداز سے جانبداری کے جذبات پیدا کر دیں۔ لیکن ایک پیغمبر کے متعلق اس قسم کا گمان بھی کفر ہے۔ قاضی کا فیصلہ ماننا بھی فرض ہے کیونکہ ڈسپلن کا یہ لازمی تقاضا ہے اور قومی عدالتی ڈسپلن کو توڑنا بھی کفر سے کم نہیں۔ لیکن اگر قرائن واضحہ سے کوئی شخص اس کے متعلق جانبداری کا گمان کرے تو وہ کفر نہ ہوگا۔ بخلاف اس کے رسولؐ کے فیصلے کو بے چون وچرا مان لینا صرف ڈسپلن ہی کا اقتضا نہیں بلکہ ایک شرطِ ایمان بھی ہے۔ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے یعنی فلا وربك ..... الخ یعنی اے رسولؐ! تیرے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مومن ہی نہیں ہو سکتے جب تک تمہیں اپنے اختلافی معاملات میں حکم نہ بنائیں اور پھر تمہارے فیصلے سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی وغبار بھی نہ محسوس کریں بلکہ پوری طرح سر تسلیم خم کر دیں۔ یہ شرطِ ایمان کسی دوسرے قاضی کے ساتھ وابستہ نہیں۔ ایک قاضی کے فیصلے کے متعلق ہم جانبداری کا گمان کر سکتے ہیں اور پھر عدالتِ بالا میں اس کی اپیل بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن آنحضرتؐ کی ذاتِ اقدس وہ آخری عدالت (سپریم کورٹ) ہے جس کی اپیل خدا کے ہاں بھی نہیں۔

ایک بات یہاں ضرور سمجھ لینا چاہیے کہ انسان سے فیصلے میں بشری لغزش ہو سکتی ہے اور خود رسول بھی ایک بشر ہی ہوتا ہے۔ فیصلے کی غلطی کے امکان سے وہ بھی باہر نہیں ہوتا۔ آنحضرتؐ نے خود ہی فرمایا ہے کہ:

..... انما انا البشرٌ وانه یاتینی	میں بھی ایک انسان ہوں۔ میرے پاس مقدمے آتے
الخصم فلعل بعضکم ان یکون	ہیں۔ بعض اوقات ایک فریق دوسرے سے زیادہ چرب زبان
ابلغ من بعض فاحسب انه	ہوتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ وہی سچا ہے لہذا میں اسی کے
صادق فاقضی لهٗ فمن قضیت	حق میں فیصلہ دے دیتا ہوں۔ اس طرح اگر کسی کے حق
له بحق مسلم فانما هی قطعة	میں فیصلہ ہو جائے اور اس سے کسی مسلمان کا حق مارا

من نار فليحملها او يذرها (رواه السنة عن ام سلمة)

جائے تو وہ دراصل آگ کا ایک ٹکڑا ہے جو اس کے پاس چلا گیا۔ اب اسے اختیار ہے کہ اسے اٹھالے یا چھوڑ دے

آنحضرتؐ نے بحیثیت قاضی کے اپنی پوزیشن کتنی صفائی سے واضح فرمادی ہے جس پر ایک حرف کا اضافہ نہیں ہو سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ قاضی بیان و شہادت پر ہی اپنا فیصلہ دے گا۔ بیان و شہادت میں اگر فریب ہے تو فیصلہ اصل حقیقت کے مطابق نہ ہوگا۔ لیکن اس کا تسلیم کرنا ضروری ہے اس لیے کہ اس کے سوا قیامِ عدالت کی اور کوئی شکل ہی نہیں۔ لیکن اس فیصلے کو تسلیم کر لینے کے باوجود کسی قاضی کے متعلق شعوری یا غیر شعوری طور پر جانبداری کا صحیح یا غلط گمان ہو سکتا ہے اور اگر وہ سپریم کورٹ نہ ہو تو اپیل بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن رسول کے فیصلے کی کوئی اپیل نہیں۔ اور اس کے متعلق جانبداری کا گمان کفر کے سوا کچھ نہیں۔

۴۔ آنحضرتؐ کی مذکورہ تین حیثیتوں ـــــ وحی رسالت، امرِ امیر، اور قضائے قاضی ـــــ کو سمجھنے کے بعد ایک چوتھی حیثیت کو بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ یہ ہے آنحضرتؐ کی بشری حیثیت۔ اس حیثیت میں آنحضرتؐ نہ کوئی فرمانِ وحی پیش فرماتے ہیں، نہ وہ امیر کا امر ہوتا ہے نہ قاضی کا فیصلہ۔ بلکہ وہ ذاتی رائے ہوتی ہے۔ مشورہ ہوتا ہے۔ سفارش ہوتی ہے یا گمان ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور اس کا نہ ماننا قطعاً کوئی کفر نہیں اور مان لینا کوئی واجب و فرض نہیں۔

ایسے بشری ارشادات کو قبول نہ کرنے کی کئی صورتیں ہیں:

(الف) صاف انکار کر دیا جائے

(ب) عذر کیا جائے

(ج) عمل نہ کیا جائے یا اس کے خلاف عمل کیا جائے

(د) اعتراضاً کوئی بات کہی جائے۔

(ھ) مباحثہ کیا جائے

(و) ناگواری کا اظہار کیا جائے ـــــ وغیرہ وغیرہ۔

یہ ساری شکلیں بات نہ ماننے ہی کی ہیں۔ لیکن ان میں سے کوئی شکل بھی ایسی نہیں جو کفر ہو یا منافیٔ ایمان ہو۔ خیر القرون میں اس کی بہت سی نظیریں پائی جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ صحابہ

جیسے خیر امت کو آنحضرتؐ سے عقیدت، عظمت، اطاعت اور ادب وغیرہ کا جو ایمانی تعلق تھا آج ہم اس کے ہزارویں حصے کا بھی دعویٰ نہیں کر سکتے۔ لیکن اس معاملے میں ان کا کیا طرزِ عمل رہا ہے اسے ذرا غور سے ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ میدانِ بدر میں آنحضرتؐ نے ایک جگہ کیمپ لگانے کا حکم دیا۔ سیدنا حبابؓ بن منذر نے پوچھا: کیا یہ جگہ وحی سے متعین فرمائی گئی ہے؟ ارشاد ہوا نہیں۔ عرض کیا: پھر یہ جگہ مناسب نہیں۔ فلاں جگہ مناسب ہے۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے جگہ بدل لی۔ ظاہر ہے کہ اگر آنحضرتؐ کی ہر بات واجب الاطاعت ہوتی یا وحی ہوتی تو نہ حبابؓ بن منذر کوئی سوال و جواب کرتے اور نہ آنحضرتؐ اپنی بات کو واپس لیتے۔ جناب حبابؓ بھی اچھی طرح سمجھتے تھے کہ رسولؐ کی ہر بات وحی کا درجہ نہیں رکھتی اور نہ ہر بات کو بے چون وچرا مان لینا ضروری ہے بلکہ کچھ ارشادات ایسے بھی ہیں جن میں قیل وقال کی گنجائش ہے اور وہ واپس بھی لیے جا سکتے ہیں۔ ایسی بات نہ وحی رسالت ہو سکتی ہے نہ امرِ امیر اور نہ قضائے قاضی، بلکہ وہ آنحضرتؐ کی رائے بشری ہی ہو سکتی ہے۔

۲۔ مدینے پہنچنے کے بعد حضورؐ نے لوگوں کو خرما دہ کھجوروں کا جوڑا ملاتے دیکھا اور اپنی ناپسندیدگی کا اظہار یوں فرمایا: یہ نہ کرو تو بہتر ہے۔" لوگوں نے جوڑا ملانا ترک کر دیا تو پھل کم آئے۔ شکایت کی گئی تو فرمایا: یہ دنیاوی کاروبار تم زیادہ بہتر سمجھتے ہو۔" چنانچہ پھر جوڑا ملانے کا رواج ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ کا یہ ارشاد بھی صرف ایک ذاتی رائے تھی۔ وحی نہ تھی ورنہ واپس نہ لی جاتی۔

۳۔ غزوۂ حنین و اوطاس کے بعد حضورؐ نے مؤلفۃ القلوب کو غنیمت کے حصے زیادہ دیے انصار نے اعتراض کیا اور گویا طنزاً کہا کہ "تلواریں تو ہماری کام کریں اور غنیمت قریشی لے جائیں؟ حضورؐ نے انصار کو مصلحت بتا کر مطمئن فرما دیا۔ اور انصار کا یہ فعل کفر نہیں سمجھا گیا۔

۴۔ صلح نامۂ حدیبیہ سے چودہ سو مہاجرین و انصار نے (ایک دو کے سوا) اپنی ناراضی کا اظہار کیا۔ اور سیدنا عمرؓ نے تو کچھ اپنی حد سے بڑھ کر باتیں کیں۔ لیکن کسی کو رسولؐ کا نافرمان یا کافر نہیں سمجھا گیا بلکہ ان کے لیے رضوان الٰہی کی سند نازل ہوئی

لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ ۔ ۔ ۔ ۔

۵- سیدنا علیؓ سے لفظ "رسول اللہ" قلمزد کرنے کو فرمایا تو آپ نے انکار کر دیا اور ان کا انکار کفر نہیں قرار دیا گیا۔

۶- سیدنا عمرؓ کو سفیر بنا کر مکے جانے کا حکم دیا۔ مگر آپ نے عذر کیا اور آپؓ ہی کی رائے سے سیدنا عثمانؓ بھیجے گئے۔ یہ عذر بھی کفر نہ سمجھا گیا۔

۷- سیدنا زیدؓ بن حارثہ اور ان کے صاحبزادے اسامہ بن زید کو دو موقعوں پر امیر لشکر بنایا تو بہت سے صحابہ نے اس پر اعتراض کیا۔ اور اسے منافی ایمان نہیں بتایا گیا۔

۸- جناب مغیثؓ کو سیدہ بریرہ سے عشق ہو گیا۔ آنحضرتؐ نے بریرہ سے فرمایا کہ مغیث سے نکاح کر لو۔ بریرہ نے انکار کر دیا۔ اور اس انکار کو منافی اسلام نہیں تصور کیا گیا۔

۹- آنحضرتؐ نے ابوہریرہ یا ابوذر غفاری سے فرمایا کہ: "لا الٰہ الا اللہ" کے قائل کے لیے دخول جنت کی بشارت سب کو سنا دو۔ مگر حضرت عمرؓ نے اس اشاعت کی بہ مصلحت مخالفت کی اور آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کی رائے مان لی۔

ہم نے یہ آخری چھ مثالیں نہایت اختصار سے نقل کی ہیں۔ یہ سب احادیث و سیر کی روایات ہیں۔ جن کے غلط ہونے کی کوئی معقول وجہ موجود نہیں (ہم ان میں سے بعض کے متعلق آگے چل کر کچھ مزید گفتگو کریں گے)، یہ ساری مثالیں اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں کہ بہت سے مواقع پر صحابہؓ نے آنحضرتؐ کے قول و عمل کو بے چون و چرا نہیں تسلیم کیا بلکہ انکار کیا، اعتراض کیا، ناگواری کا اظہار کیا۔ سب کچھ کیا لیکن آنحضرتؐ نے ان میں سے کسی ایک فرد کو بھی خارج از اسلام قرار دیا۔ کسی کو منکر حدیث و سنت اور منکر وحی و رسالت نہیں قرار دیا۔ بات بالکل صاف ہے کہ صحابہؓ آنحضرتؐ کی ہر بات کو واجب التسلیم نہیں سمجھتے تھے۔ وہ صرف وحی کو بے چون و چرا مانتے تھے یا امر کو یا قضا (فیصلے) کو۔ آنحضرتؐ کے ذاتی مشوروں کو نہ وہ واجب الاطاعت سمجھتے تھے نہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔

اچھا اب ذرا دو ایسی مثالوں کو بھی ملاحظہ فرمائیے جو قرآن پاک کے اندر موجود ہیں۔

۱- اوسؓ بن صامت اپنی بیوی خولہؓ بنت ثعلبہ کو ماں سے تشبیہ دے کر ظہار کرتے ہیں۔ خولہ آنحضرتؐ سے صورت حال بیان کرتی ہیں۔ آنحضرتؐ رواج عرب کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں کہ طلاق ہو گئی۔ واضح رہے کہ فتویٰ صرف رائے ہوتا ہے، قضائے قاضی یا امر امیر نہیں

ہوتا، خولہؓ آنحضرتؐ سے جھگڑتی ہیں۔ مثلاً: شوہر طلاق کا لفظ تو بولا نہیں۔ ماں کہا ہے۔ اور میں اس کی ماں ہو ہی نہیں سکتی اس لیے کہ میں نے اسے جنا نہیں ہے۔ میں نے اپنی جوانی اس کے ساتھ ختم کر دی۔ میرے بچے ہیں جن کی کفالت و تربیت نہ ہونے سے سارا گھر برباد ہو جائے گا۔" حضورؐ اپنی رائے پر قائم تھے مگر وحی الٰہی نے اسے طلاق نہیں بلکہ ظہار قرار دیا۔ ارشاد ہوا:

قد سمع اللّٰہ قول التي	اللہ نے اس عورت (خولہ) کی بات سن لی جو (اے رسولؐ)
تجادلک فی زوجھا وتشتکی	تم سے اپنے شوہر کے معاملے میں جھگڑ رہی ہے۔ اور اللہ
الی اللّٰہ واللّٰہ یسمع تحاورکما	سے فریاد کر رہی ہے۔ اللہ تم دونوں (خولہؓ اور رسولؐ)
.....	کا مکالمہ سن رہا ہے ..... (اس کے بعد کفارے وغیرہ بیان کیے گئے)

آپ نے ملاحظہ فرمایا؟ رسولؐ اپنی رائے دیتا ہے یا یوں کہیے فتویٰ دیتا ہے مگر خولہؓ نہیں مانتی۔ جھگڑا، مباحثہ کرتی ہے مگر نہ رسولؐ اسے منکر و کافر کہتا ہے نہ خدا اسے قابلِ گرفت قرار دیتا ہے بلکہ گویا اسی کی تائید کرتا ہے۔

۲۔ آنحضرتؐ اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ بنت جحش کو اپنے متبنّیٰ و مولیٰ سیدنا زیدؓ بن حارثہ کے لیے پیامِ نکاح دیتے ہیں۔ وہ انکار کرتی ہیں۔ پھر یہ آیت نازل ہوتی ہے:

وما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللّٰہ ورسولہٗ	اللہ اور اس کا رسول اگر کسی معاملے کا فیصلہ کر دے تو اس
امراً ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم.....	معاملے میں کسی مومن و مومنہ کو کوئی اختیار ہی نہیں باقی رہتا۔

پہلے جس زینبؓ نے انکار کیا تھا اس نے اب قبول کر لیا۔ کیوں؟ پہلا ارشادِ رسولؐ صرف ذاتی مشورہ تھا اور دوسرا فیصلہ و قضا۔ لیکن آگے سنیے زینبؓ و زیدؓ میں نباہ نہ ہو سکا۔ زیدؓ نے طلاق دینے کا ارادہ کیا تو آنحضرتؐ نے جو کچھ فرمایا اسے زبانِ قرآن سے سنیے:

اذ تقول للذی انعم اللّٰہ	(اے رسولؐ) یاد کرو (حبیب (زیدؓ) سے) جس پر اللہ نے
علیہ وانعمت علیہ امسک	بھی انعام کیا اور تم نے بھی انعام کیا یہ کہہ رہے تھے (اے
علیک زوجک واتق	زیدؓ) اپنی بیوی (زینبؓ) کو روکے رکھ (طلاق نہ دے)
اللّٰہ۔	اور تقویٰ اللہ اختیار کر۔

یہ قرآن کے الفاظ ہیں اور اتنے واضح ہیں کہ کوئی تاویل نہیں قبول کرتے۔ رسولؐ نے کہا——

اور بصیغۂ امر کہا ـــــ کہ اپنی بیوی کو روکے رکھ اور طلاق نہ دے۔ فرمایئے زیدؓ نے اس حکم کو مانا؟ نہیں۔ بلکہ زینبؓ کو طلاق دے دی۔ اس حکم عدولی کے باوجود کیا زید معتوب ہوئے؟ منکر حدیث وسنت اور منکر وحی ورسالت ہوئے؟ اور نعوذ باللہ خارج از اسلام قرار پائے؟ جی نہیں وہ ہمیشہ کے لیے انعم اللہ علیہ وانعمت علیہ ہی رہے۔ انہیں جیش اسلامی کی قیادت و امارت بھی نصیب ہوئی۔ اپنے مولیٰؐ کے پیارے (حبّ) رہے۔

بات کیا تھی؟ اس میں کوئی پیچیدگی نہیں۔ بیوی کو طلاق نہ دینے کا حکم نہ وحی رسالت تھا، نہ امر امیر اور نہ قضائے قاضی۔ یہ ایک ذاتی مشورہ تھا۔ بلاشبہ رسول اللہ کے مشورے کو بے چون وچرا مان لینا بھی تسلیم ورضا اور سعادت مندی کا بڑا اونچا درجہ ہے۔ اس سے انکار نہیں لیکن اسے بھی فراموش نہ کرنا چاہیے کہ رسولؐ کے مشورے کو قبول نہ کیا جائے تو یہ نہ کوئی کفر ہے نہ عدول حکمی۔ مشورے کے تو معنی ہی یہ ہوتے ہیں کہ مشورہ دینے والا ماننے اور نہ ماننے دونوں کا اختیار دے رہا ہے۔ رسولؐ کسی کو یہ اختیار خود دے تو دوسرا کون ہے جو اس اختیار کو سلب کر کے اپنی عاقبت خراب کرے؟

صحابہ کو تو ملکہ حاصل تھا اس لیے وہ آنحضرتؐ کے ارشادات کی نوعیت کو سمجھ لیتے تھے، اور اچھی طرح تمیز کر لیتے تھے کہ یہ وحی ورسالت ہے یا امر امیر، قضائے قاضی ہے یا بشری رائے۔ اور اگر کہیں شبہ ہوتا تو دریافت کر لیتے تھے۔ سیدنا حبابؓ بن منذر نے آخر دریافت کر لیا کہ: فوجی کیمپ کے لیے یہ جگہ کیا وحی سے مقرر کی گئی ہے؟ حضورؐ نے جواب نفی میں دیا اور بات صاف ہو گئی کہ یہ آنحضرتؐ کی ذاتی رائے تھی۔ اسی طرح جناب بریرہؓ نے پوچھ لیا کہ: اتامرنی؟ کیا حضورؐ مجھے مغیث سے نکاح کر لینے کا امر فرماتے ہیں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: لا ولکن اشفع۔ امر وحکم نہیں بلکہ سفارش ہے۔ یہاں بھی بات واضح ہو گئی کہ بشری رائے تھی۔ یوں ہی حدیبیہ میں اگر ان چودہ سو مہاجرین وانصار کو یہ علم ہوتا کہ یہ شرائط صلح بذریعۂ وحی لکھوائی جا رہی ہیں تو کوئی چوں بھی نہ کرتا اور اگر کوئی ذرا بھی بولتا تو پہلے اسے اپنے ایمان کی خیر منانی پڑتی۔ سب کے سب یہی سمجھ رہے تھے کہ یہ ایک ایسی ذاتی رائے ہے جس میں دوسروں کو اظہار رائے کا حق دیا گیا ہے۔

غرض صحبت نبوی میں رہنے والوں کو یہ اندازہ کرنا دشوار نہ تھا کہ آنحضرتؐ کے کس ارشاد کی کیا نوعیت ہے۔ یہ دشواری تو بعد والوں کو پیش آئی۔ وحی، امر، قضا اور رائے میں فرق نہ معلوم

کرنے کی وجہ سے تمام احادیث نبوی کو تقریباً ایک ہی سطح پر رکھ دیا گیا۔ اور ہر ایک کو ایک ہی عینک سے دیکھا جانے لگا۔ حالانکہ تابیر نخلہ والی حدیث کا جو آخری ٹکڑا حضورؐ کی زبان سے نکلا تھا اس سے معاملہ بالکل صاف ہو چکا تھا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا تھا:

انما انا بشرٌ اذا امرتکم بشیٔ من امر	میں بہر حال ایک بشر ہوں۔ اگر تمہارے دین کے بارے میں
دینکم فخذوا بہ واذا امرتکم بشیٔ من	کوئی حکم دوں تو اسے لے لو۔ اور جب میں اپنی رائے سے
رأیی فانما انا بشرٌ (رواہ مسلم)	کچھ حکم دوں تو میں بھی آخر بشر ہی ہوں۔

دین اصالۃً صرف وحی الٰہی ہے۔ امر امیر (..... واولی الامر منکم) اور قضائے قاضی (حتی یحکموک فیما شجر بینھم) کی اطاعت عین دین ہے کیونکہ یہ بھی وحی خداوندی ہی کا حکم ہے۔ ان کے علاوہ آنحضرتؐ کے تمام ارشادات بشری ارشادات ہیں ——— بلاشبہ آنحضرتؐ کی بشری رائیں بھی تمام عقلائے عالم کی رایوں پر فوقیت رکھتی ہیں۔ اور ان کو مان لینا سعادت دارین ہے۔ اس میں کلام نہیں لیکن سوال صرف یہ ہے کہ کیا بشری ارشادات کی وہی حیثیت ہے جو وحی وامر وقضا کی ہے؟ اور کیا ان دونوں کا نہ ماننا انسان کو یکساں طور پر خارج از اسلام بنا دیتا ہے؟ اس کا جواب صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے "نہیں"۔ اور یہ بھی مسلّم ہے کہ ذخیرۂ احادیث میں وحی کا اعادہ (آنحضرتؐ کے اپنے الفاظ میں) بھی ہے اور امر امیر بھی۔ قضائے قاضی بھی ہے اور بشری مشورے بھی۔ لہٰذا پہلے تو بشری اور غیر بشری ارشادات کو الگ کرنا ہوگا۔ پھر واجب الاطاعت ارشادات یعنی وحی، امر اور قضا میں بھی یہ دیکھنا ہوگا کہ کونسا ارشاد شخصی ہے اور کون سا عمومی؟ کونسا وقتی ہے اور کون سا دوامی؟ کونسا مشروط ہے اور کونسا غیر مشروط؟ اور جو مشروط ہے وہ کن شرائط کے ساتھ مشروط ہے؟

اس وقت ان باتوں کی تفصیل میں جانا مقصود نہیں۔ بس چند نکتے پیش نظر رکھنا کافی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارے سامنے جتنی احادیث ہیں ان میں زیادہ تر وہ ہیں جن کا صحیح پس منظر ہمارے سامنے نہیں آسکا ہے اور یہی وجہ ہے کہ بشری اور دینی امور میں فرق کرنا دشوار ہو جاتا ہے اور عام طور پر تمام ارشاداتِ رسولؐ کو ایک ہی سطح اور ایک ہی مرتبے پر رکھ کر دیکھا جاتا ہے

---

(۱) اس کی بہت سی مثالیں "مقام سنت" میں بھی موجود ہیں، جو ادارۂ ثقافت اسلامیہ سے شائع ہو چکی ہے۔

ہمارے لیے آج جو دشواری ہے وہ یہ ہے کہ پورا صحیح پس منظر سامنے نہ ہونے کی وجہ سے شخصی و عمومی، عارضی و دوامی، مشروط و غیر مشروط میں تمیز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ نبی ہر وقت نبی رہتا ہے لہذا نبی کی کسی بات کو نبوت سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ پھر وہ مثال دیتے ہیں کہ سپریم کورٹ کا جج چوبیس گھنٹے جج رہتا ہے وہ جہاں چاہے اجلاس قائم کر سکتا ہے۔ یہ بات تو ٹھیک ہے کہ رسول بھی ہر وقت رسول رہتا ہے لیکن اس کی ہر بات رسول کی حیثیت سے نہیں ہوتی۔ جج کی جو گفتگو گھر میں یا بازار میں یا کلب میں ہوتی ہے اس کی وہ حیثیت قطعاً نہیں ہوتی جو اجلاس عدالت کے فیصلہ کی ہوتی ہے۔ رسول ہونے کا مطلب صرف یہ ہے کہ رسالت کا منصب اس سے ہر وقت وابستہ رہتا ہے۔ رسالت کا یہ مطلب بالکل نہیں کہ رسول جب بھی کچھ بولتا ہے تو رسول ہی کی حیثیت سے بولتا ہے اور وحی کے سوا اور کوئی بات زبان سے کبھی نکلتی ہی نہیں۔

رسول کی اپنی خواہشیں بھی ہوتی ہیں، اپنی رائے بھی ہوتی ہے۔ اپنا گمان[1] بھی ہوتا ہے۔ اپنا اجتہاد بھی ہوتا ہے۔ غرض سب کچھ ہوتا ہے اور ان چیزوں سے متعلق جو قول یا عمل ہو وہ وحی کی حیثیت سے نہیں ہوتا۔ اگر اجازت ہو تو زیادہ صفائی سے عرض کیا جائے کہ مشورہ تو خدا بھی زبردستی نہیں منواتا۔ پھر رسول کا مشورہ ماننا کس طرح ضروری ہو گا۔ ارشاد الٰہی ہے کہ: سفر اور مرض میں روزہ ترک کرنے کی اجازت ہے لیکن یہ بھی ہے کہ وان تصوموا خیر لکم.... الخ اگر رکھ لو تو بہتر ہے۔ یہ حکم نہیں صرف مشورہ ہے کہ رکھ لو تو اچھا ہے۔ لیکن اگر کوئی ساری زندگی اس مشورے پر عمل نہ کرے تو گناہ گار نہیں ہو گا کیونکہ یہ صرف خدا کا مشورہ ہے حکم نہیں۔ اس مثال سے رسول کے مشوروں کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہونی چاہیے۔

موجودہ دور میں ہمارے سامنے بہت سے مسائل ہیں جن کو حل کرنے کے لیے ہمیں روایات احادیث سے بھی مدد لینی پڑتی ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ ہم لوگ حدیث کو پیش کرتے وقت رسولؐ کی تمام حیثیات کو فراموش کر دیتے ہیں اور ہر حدیث کو ایک ہی حیثیت سے پیش کر دیتے ہیں۔ یہ نہیں دیکھتے کہ وحی رسالت یا امر امیر یا قضائے قاضی ہے جن کا تسلیم کرنا شرط ایمان ہے

---

(۱) گمان کی ایک مثال یہ ارشاد رسولؐ ہے کہ میں اپنے خوابوں کی بنا پر سمجھتا تھا کہ ہجرت شام کی طرف ہو گی لیکن وہ مدینہ نکلا۔

یا مشورہ، اجتہاد، گمان وغیرہ ہے۔ جن میں خود رسولؐ نے لاد نعم کی گنجائش رکھی ہے۔ بس فوراً یہ کہہ دیتے ہیں کہ: حدیث شریف میں یوں آیا ہے۔"

ہم دیکھتے ہیں کہ اجلۂ صحابہ نے آنحضرتؐ کے امر اور قضا تک کو عصری حالات کے تقاضوں سے بدل دیا ہے۔ اس کی بیسیوں مثالیں ہم اپنے مختلف مضامین میں پیش کر چکے ہیں۔ بلکہ حد تو یہ ہے کہ حالات بدل جانے کے بعد منصوصات تک میں لچک پیدا کی ہے، جن مؤلفۃ القلوب کو بہ نص قرآنی صدقات دیے جاتے تھے۔ انہیں سیدنا ابوبکرؓ و عمرؓ نے روک دیا، تو جب یہ صورت حال ہو تو ان ارشادات نبویؐ میں تغیر و تبدل کیوں نہیں ہو سکتا جن کے متعلق وحی رسالت یا امر امیر یا قضائے قاضی ہونے کی کوئی دلیل موجود نہیں؟ خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ شخصی باتیں قومی اور قومی معاملات شخصی بن گئے ہوں یا جن کو ہم دوا ہی سمجھے ہوئے ہیں وہ دراصل وقتی ہوں اور جنہیں ہم غیر مشروط تصور کیے ہیں وہ درحقیقت مشروط ہوں۔ سیدنا عمرؓ اور دوسرے صحابہ کی آنکھوں سے یہ باریکیاں پوشیدہ نہ تھیں۔ اس لیے وہ بدلتے ہوئے حالات کا ہمیشہ لحاظ رکھتے تھے اور ہم نے سارے احکام پر جمود طاری کر رکھا ہے۔

مثال کے طور پر "تحدید نسل" یا فیملی پلاننگ کے مسئلے کو لے لیجیے۔ بعض روایتوں میں "عزل" کی صاف اجازت ہے اور بعض میں کچھ ناپسندیدگی یا تعجب کا اظہار ہے اور بعض میں واد خفی کہا گیا ہے۔ کسی میں ہے کہ آنے والی روح تو آ کر رہے گی۔ کسی میں ہے کہ اپنا مادۂ تولید اگر پتھر پر بھی ڈال دو گے تو پیدا ہونے والی اولاد اسی سے پیدا ہو جائے گی۔ کسی میں ہے کہ آنحضرت کو معلوم ہوا تو عزل سے منع نہیں فرمایا ——— ان تمام روایتوں میں جو باہمی ٹکراؤ ہے اسے تو جانے دیجیے۔ دیکھنے کی بات صرف یہ ہے کہ ان میں سے کسی حدیث کے متعلق وحی رسالت یا امر امیر یا قضائے قاضی ہونے کی کوئی دلیل موجود نہیں۔ یہ زیادہ سے زیادہ ایک بشری رائے یا گمان یا اجتہاد ہے اور ان کے متعلق جو حکم ہے وہ ہم اوپر وضاحت سے مثالیں دے کر بتا چکے ہیں۔ گزارش یہ ہے کہ جب غیر بشری باتوں میں صحابہؓ نے تغیر و تبدل فرمایا تو بشری باتوں میں تغیر و تبدل کو کیوں کفر سمجھ لیا گیا ہے۔ خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ تحدید نسل کی تائید میں بھی روایتیں موجود ہیں۔ آپ زیادہ

---

(۱) اس عنوان پر ایک کتاب ادارۂ ثقافت اسلامیہ سے شائع ہو چکی ہے۔ اسے دیکھ لینا مفید ہوگا۔

سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ حالات تحدید نسل کی حمایت نہیں کرتے اور اس کی یہ یہ دلیلیں ہیں۔ اگر ایسا ہو تو ٹھیک ہے اور ہو سکتا ہے کہ موجودہ حالات میں تحدید نسل کی ضرورت پر جو دلیلیں پیش کی جاتی ہیں وہ کمزور ثابت ہوں۔ لیکن یہ کہنا درست نہیں کہ حالات کا تقاضا ہو یا نہ ہو عزل کی حرمت ایک دائمی حکم ہے۔ اور اگرچہ جواز کی اور عدم جواز کی دونوں طرح کی روایتیں موجود ہیں لیکن اسے ہم جیسے مزاج شناسِ رسولؐ ہی بتا سکتے ہیں کہ فلاں روایت راجح اور فلاں مرجوح ہے ——— مزاج شناسانِ رسولؐ کو اتنی موٹی سی بات تو ضرور سمجھنا چاہیے کہ آنحضرتؐ ایسی خلافِ حقیقت بات کبھی نہیں فرما سکتے تھے کہ: "پتھر پر بھی اپنا مادۂ تولید ڈالو تو پیدا ہونے والی اولاد کو اسی پتھر سے اللہ تعالیٰ پیدا فرما دے گا۔" اور یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ جس مادّے کے متعلق ابھی کچھ نہیں معلوم کہ یہ لڑکا ہو گا یا لڑکی اس کو واؤ خفی کیسے کہا جا سکتا ہے جب کہ "واؤ" کا لفظ صرف لڑکی کے لیے آتا ہے نہ کہ لڑکے کے لیے۔

گلستانِ حدیث

مصنفہ محمد جعفر پھلواروی

چالیس منتخب احادیث نبوی کی تشریح جس کے ہر مضمون کی تائید میں دوسری احادیث اور قرآن کریم سے ان کی مطابقت نہایت دلکش انداز سے پیش کی گئی ہے۔ انداز نگارش اچھوتا اور تشریحات جدید انکار و اقدار کی روشنی میں کی گئی ہیں۔ کاغذ و طباعت عمدہ۔ مجلد مع گرد پوش۔

قیمت ۲ روپے ۸ آنے

اسلام اور رواداری

مصنفہ رئیس احمد جعفری

قرآن کریم اور حدیث نبوی کی روشنی میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ کیا حسن سلوک روا رکھا ہے اور انسانیت کے بنیادی حقوق ان کے لیے کس طرح اعتقاداً اور عملاً محفوظ کیے ہیں۔

حصہ اول صفحات ۲۲۴ قیمت ۴/ ۷ روپے

حصہ دوم صفحات ۲۷۴ قیمت ۸/ ۷ روپے

ملنے کا پتہ: سیکریٹری ادارہ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور